کشمیری شاعری کے ارتقاء میں للہ عارفہ اور حبّہ خاتون کا مقام

عذرا وقار

کشمیری شاعری کو ہم چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں للہ عارفہ اور حبہ خاتون بالترتیب پہلے اور دوسرے دور سے تعلق رکھتی ہیں۔

پہلا دور:	۱۳۳۵	تا	۱۴۲۲
دوسرا دور:	۱۴۲۲	تا	۱۸۴۸
تیسرا دور:	۱۸۴۸	تا	۱۹۰۰
چوتھا دور:	۱۹۰۰	تا	حال

للہ عارفہ (پہلا دور)

اس میں سب سے اوپر للہ عارفہ (پ ۱۳۳۵) کا نام آتا ہے۔ وہ کشمیری زبان کی سب سے پہلی شاعرہ تھیں۔ اُس دور میں کشمیری زبان شاردا رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ وہ راجہ اودیان دیو کے عہد میں پیدا ہوئیں۔ سری نگر سے پانچ میل دور جنوب مشرق میں ایک گاؤں پنڈ ریتھن اُن کی جائے پیدائش ہے۔ للہ کے والدین جو کہ متوسط طبقے کے زمیندار تھے نے اُن کی شادی نوعمری میں کر دی تھی۔ مگر وہ اُن کے حق میں اچھی ثابت نہ ہوئی۔ وہ سارا دن گھر کا کام کرتیں مگر ساس اُن سے خوش نہ ہوتی۔ یہ سختیاں اُن کے حق میں مفید ثابت ہوئیں اور توکل اور استغفار کی قوت اُن میں بڑھ گئی۔ وہ کہتی ہیں

ترجمہ:

میں نے اپنے نفس کو مارا\
جس سے میرے اندر کا چراغ\
روشن ہوگیا

مجھے اپنی اصلیت معلوم ہوگئی
اندر کی چمک باہر نکل آئی
اور میں نے اندھیرے میں اُسے پالیا[1]

چودھویں صدی عیسوی میں اسلام نیا نیا کشمیر میں پہنچا تھا۔ للّہ عارفہ شیومت کو مانتی تھیں مگر اسلام کی تعلیمات سے بھی متاثر تھیں۔ اُن کے کلام میں تصوف کی جو چاشنی پائی جاتی ہے وہ صوفیائے کرام جیسے سید علی ہمدانیؒ سے ملاقاتوں اور صحبتوں کا نتیجہ ہے۔ اُسوقت کی مذہبی تحریک کے نتیجے میں شومت صوفیوں کے نقشبندی سلسلے کے قریب آ گیا تھا[2] للّہ عارفہ کو ہندو لل ایشوری اور مسلمان لل ودی یا لل ماجی کہتے تھے۔

للّہ عارفہ ۱۳۷۹ء میں ھیرا پور میں امیر کبیر سید علی ھمدانی سے ملیں۔ اس کے کچھ عرصے بعد اُنہوں نے بج بہاڑہ میں وفات پائی جو سرینگر سے اٹھائیس میل کے فاصلے پر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اُن کے بہت سے اقوال بھی ملتے ہیں۔ جن پر ہندو مت کے یوگ فلسفے کا رنگ بھی ہے اور خالص اسلامی رنگ اور متصوفانہ رنگ بھی ہے۔

نمونہ شاعری

ترجمہ:

میرے گورو نے میرے کان میں
ایک شبد بولا
اُس نے مجھے خود میں خود کو ڈھونڈنے کو کہا
باہر نہیں
جادو نے اثر دکھایا
میں آزاد ہوگئی
اور خوشی سے ناچنے لگی

تو ہی آسمان ہے اور زمین اور ہوا
دن رات تو ہی ہے
تو اناج، پھول، صندل کی لکڑی
پانی، کائنات
تو پھر میں تجھے کس چیز سے سجاؤں

شیو ہر جگہ موجود ہے
مسلمان اور ہندو
کی تمیز غلط ہے
اپنے آپ کو پہچانو
یہی خدا کی طرف جانے والا راستہ ہے

کہا جاتا ہے کہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت اُن سے ملے اور اُنہیں بتایا کہ جلد ہی حسین سمنانی آکر اُن سے ملیں گے اور اُن کے دکھ دور ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت حسین سمنانی کشمیر میں وارد ہوئے اور للہ آپ کی تعلیمات، وحدت ومحبت سے اس حد تک متاثر ہوئیں کہ وہ بے شمار دیوتاؤں کے بجائے ایک ہی ذات کا جلوہ دیکھنے لگیں۔ اسی زمانے میں سید جلال بخاریؒ بھی کشمیر میں وارد ہوئے اور وہ اُن سے بھی ملیں۔ اب وہ ہندو مسلمان کی تعریف پر یقین نہیں رکھتی تھیں اور انسانی رشتوں کو افضل سمجھتی تھیں۔ اپنے صوفیانہ خیالات کے باعث لوگ اُنہیں مسلمان سمجھتے۔ وہ رسم ورواج کی ظاہری امتیازات کی تنگ ودو سے باہر نکل آئیں۔ وہ حسین سمنانی کی مرید ہوگئیں۔

آخر وہ تعلق دنیا سے کنارہ کش ہو کر جوشِ جنوں میں جنگلوں میں سرگرداں رہنے لگیں۔ کسی نے کچھ دیا تو کھا لیا۔ ورنہ فاقے سے رہتیں۔ دل کو کہیں قرار نہ ملتا۔ دور دراز کا سفر کر کے متبرک مقامات کی زیارت کرتیں۔ کبھی پرندوں کے گیت سنتیں اور کبھی نعرے لگاتیں۔ کشمیر اُن دنوں مسلمان سلاطین کے زیرِ نگین آرہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہندو راج کی بساط اُلٹ گئی۔ للہ کی شہرت کا آغاز سلطان علاؤالدین عرف بڈشاہ کے دور میں ہوا۔[۳]

جب موتی کا پردہ درمیان سے اُٹھ گیا تو لِلہ کو پتہ چلا کہ وہ ہی سب کچھ ہے۔ دنیا اس کی نظروں میں ہیچ ہوگئی۔ اس حالت میں اُن سے کچھ خرق عادت باتیں ظہور میں آئیں۔ جن کی بدولت وہ ساری بستی میں مشہور ہوگئیں۔ وہ گنگناتی

ترجمہ: مجھ پر لوگوں نے تہمتیں لگا کر مجھے بدنام کیا
مگر مجھ پر ان کا کیا اثر
میں تو ماگھ کے مہینے میں ٹھنڈے پانی سے نہانے والی
اور اساڑے کے مہینے میں تپتی آگ کی گرمی برداشت کرنے والی ہوں

میں نے اُس پر اعتماد نہ کیا
مگر میں نے اپنی شاعری کی شراب پی لی
اس نے مجھ میں اندھیروں کو ٹکڑے ٹکڑے

کرنے کا حوصلہ دیا

میں خواب میں چلنے والی ہوں
جو ایک دھندلی سڑک
پر چل رہی ہے۔[۴]

لِلّہ عارفہ صوفیاء کی محافل میں بیٹھنے لگیں وہ کشمیر میں فلسفہ ہم اوست کی مبلغہ تھیں جیسا کہ اُن کی شاعری سے ظاہر ہوتا ہے اور کشمیر کے مشہور صوفی شیخ نورالدین ولی اُن کے معتقد تھے۔ چنانچہ رشی نامہ میں حضرت شیخ کی کشمیری زبان میں ایک مناجات ملتی ہے جس میں وہ دعا کرتے ہیں کہ اے خدا! مجھے لل دیدی کی طرح بنا دے۔

لِلّہ عارفہ نے اپنے احساسات اور صوفیانہ خیالات کو بیان کرنے کے لئے ایک صنف سخن 'واکھ' کا انتخاب کیا۔ اُن کے کلام کو''للہ واکھیا' کے نام سے شائع کیا گیا۔ یہ جہاں موجودہ کشمیری زبان کی اولین تصنیف ہے وہاں اپنی اہم خصوصیات کے لحاظ سے ادب کا ایک بلند پایہ شاہکار ہے۔ کشمیری زبان میں للہ عارفہ کے بعد آج تک کئی صاحب حال صوفی گیانی اور علم وفضل کے چراغ روشن ہوئے مگر للہ عارفہ کا سا لطف سخن کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

لِلّہ کے کلام میں شاعری اور تغزل موجود ہے۔ فنا فی الذات ہونا للّہ کا نصب العین اور فنا فی اللہ ہونا ان کی منزل تھا۔ اُنکی شاعری کسی عمر میں قید نہ تھی۔ اُنکی شاعری کے بعض عناصر ابدیت کے نزدیک ہیں۔ یعنی ایسے خیالات جو انسان کے بنیادی حقائق زندگی سے وابستہ ہوتے ہیں اور افادی نقطۂ نگاہ سے دائمی اور پائدار ہیں جنکو روایاتی بھی کہا جاتا ہے اور شعوری بھی۔ وہ کہتی ہیں۔

صاحب چھُ بتھ پانہ ءدکانس۔ ساری چھس منگان کنیو ھاہ وہ روٹ نوکاء نسہ ہندراُچھ نو وانس۔ یہ ژتیہ گڑھی تی پانہ نہِ

ترجمہ: وہ خود مکان پر بیٹھا ہوا ہے۔ اُس سے سب کچھ دینے کو کہتے ہیں۔ کیا اس کے لئے کوئی رکاوٹ ہے۔ یا دوکان پر کوئی نگہبان بیٹھا ہے تجھے جو چاہیئے خود لے جا۔

للّہ کی شاعری میں متنوع مضامین ہیں جن میں نیکی، اخلاق اور صدق جیسی خوبیوں کا بیان۔ للّہ کی روحانیت محض قول ہی نہیں ہیں بلکہ یہ حقیقی زندگی کیلئے پیغام ہیں۔

واکھ	مَنس	کول	رکول	نا اتے
ژھودہ	مودرے	اتہ	نا	پردیش
روز	ان	شو	شکت	ناتے

موژے کونہہ تہ سُوی اُپدیش

ترجمہ: اپنے من کو سمجھاؤ۔ وہاں ذات پات اور چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ خاموشی کرنے سے تمہاری وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ وہاں پر نہ 'شیو' رہتا ہے نہ 'شکتی'۔ خاموشی سے وہاں رسائی نہیں اگر کچھ باقی رہتا ہے تو وہ سچا اصول ہے شوا اور شکتی کے بعد جو چیز باقی رہتی وہ للّہ کا اپنا وجود ہے۔

للّہ عارفہ کشمیری کی پہلی شاعرہ تھیں۔ اُنہوں نے اگر چہ پرانے اسلوب یعنی اشلوکوں کے صنف میں شاعری کی مگر اُن کے باعث کشمیری شاعری اسلامی تصوف سے روشناس ہوتی اور اس کے ذریعے للّہ نے کشمیر میں نئی روشنی پھیلائی۔ اُنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچایا اور بھائی چارے اور مساوات کا سبق دیا۔ کشمیری زبان میں کوئی شاعری للّہ عارفہ کے مقام کو نہیں پاسکا۔ اُنہوں نے کشمیری زبان کی شاعری کو شروع ہی سے جو رنگ بخشا اور کشمیری زبان کو جو ثروت عطا کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے اپنے خیالات کو شاعری کے ذریعے پھیلایا اور عام لوگوں کو امن اور دوستی کا سبق سکھایا۔ انہوں نے بتایا کہ انسانوں کو مذہب کے حصار سے باہر نکل کر سوچنا چاہیے اور سب مذاہب کو برابر جاننا چاہیے۔ ایک دوسرے سے نفرت کرنا اور انسانوں میں دوریاں پیدا کرنا مذاہب کا مقصد نہیں ہونا۔ اُن کے ہی پیغامات اُنہیں ایک عظیم شاعرہ کا روپ دیتے ہیں۔ اُس دور میں عوامی کشمیری زبان شاردا رسم الخط میں لکھی جاتی اور سرکاری زبان سنسکرت تھی۔

نورالدین رشی

اس زمانے کے ایک اور شاعر شیخ نورالدین رشی (۸۴۲ھ) تھے۔ جو للّہ عارفہ کے معتقد تھے۔ آپ کے والد سید حسین سمنانی کے ہاتھوں اسلام لائے۔ آپ کا پیدائشی نام نندہ تھا۔ شیخ نورالدین نے سلکِ ریشیت کو قرآن وسنت اور شریعت سے ہم آہنگ کردیا اور کشمیری ہونے کی وجہ سے آپ نے تبلیغ دین کا وہ طریقہ اختیار کیا جو مقامی لوگوں کی نفسیات اور معروضی حالات کے عین مطابق تھا۔ اُن کے ہاتھوں لاکھوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔[5] چونکہ اُن کا کلام للّہ عارفہ اور حبّہ خاتون کے درمیانی عرصے کا ہے اس لئے اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

پانے بج تے پانے قصاب
پانے پانس هیوان گراکھ
پانے پانس هیواں حساب
پانے مازتے، پانے شراکھ

ترجمہ: آپ ذبح اور آپ قصائی
آپ ہی اپنا گاہک بھی

اپنا حساب بھی آپ چکائے
آپ گوشت اور آپ چھری
سوے نئے لوتش نئے
ے تس نئے قرار آو
نچھے ژ ھونڈم لے ردلینے
ینے دیشے لے یار آو

ترجمہ: دیکھا تو میں اُس کے پاس ہوا اور وہ میرے قریب
رب وہ میرے قریب ہوا تو مجھ کو ملا قرار
نا حق اُس کی تلاش میں چھانے میں نے دیار غریب
اب دیکھوں تو اپنے دیار میں تجھ کو ملا یار[۶]

حبّہ خاتون (دوسرا دور)

۱۳۳۹ میں اسلامی انقلاب کی روشنی آنے کے بعد سنسکرت کے ساتھ کشمیر میں فارسی کا بھی رواج پڑا۔ چنانچہ اس عہد میں بے شمار علماء و شعراء و صوفیاء وسطی ایشیا سے آ کر کشمیر میں آباد ہوئے۔ حبّہ خاتون (وفات: ۱۶۰۶ء) خواجہ حبیب اللہ نوشہری (وفات: ۱۶۱۷ء) ارنی مال (وفات: ۱۸۰۰) صاحب کول، اکمل الدین بدخشی، روپہ بھوانی اور پرکاش بھٹ اس دور کے مشہور شعراء ہیں۔ اس دور میں کشمیری زبان نے خاصی ترقی کی اور خصوصیت سے کشمیری شاعری ارتقائی منازل سے روشناس ہوئی۔ اس عہد کی شاعری کا دائرۂ عمل تصوف، فلسفہ اخلاق اور خدا شناسی تک محدود رہا۔ نظم میں فارسی الفاظ، تراکیب، تلمیحات اور اوزان و بحور استعمال ہونے لگے۔

حبّہ خاتون کا اصل نام زون بمعنی چاند تھا۔ وہ ایک گاؤں میں پیدا ہوئیں اور گاؤں کے مولوی سے فارسی عربی پڑھی۔[۷] اُن کے گاؤں کا نام چندر ہار تھا۔ کشمیری زبان کے دور دوم کی پہلی بڑی شاعرہ ہیں جو للہ عارفہ سے دو سو سال بعد آئیں۔ اٹھتے بیٹھتے وہ شعر کہتی تھیں۔ نوعمری میں شادی ہوگی۔ سسرال والوں نے بدسلوکی کی۔ کشمیر کے بادشاہ یوسف خان چک نے حبّہ خاتون کو دیکھا تو اُن کے حسن سے متاثر ہو کر اُن سے شادی کر لی۔ چنانچہ اُن کی شاعری کے تین دور بنتے ہیں پہلے دور میں جب وہ اپنے پہلے سسرال میں تھیں اور ایک مظلوم بہو نظر آتی تھیں۔ دوسرے دور میں وہ ملکہ تھیں اور اس دور کا کلام عشق و محبت کا مرقع ہے۔ تیسرے دور میں مغل شہنشاہ نے جب کشمیر پر حملہ کیا تو یوسف خان چک کو گرفتار کر کے بہار میں نظر بند کر دیا۔ اب حبّہ خاتون یوسف خان کے فراق میں تارک الدنیا ہو گئیں اور ساری وادی میں دیوانہ وار ہجر و فراق کے گیت گاتی رہیں۔ اس عشق مجازی نے عشقِ حقیقی کی صورت اختیار کر لی۔ حبہ خاتون کو

کشمیری غزل کا بانی کہا جاتا ہے انہوں نے فارسی بحروں کو کشمیری شاعری میں متعارف کرایا۔ اُنکی شاعری میں جدید کشمیری شاعری کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ للّہ عارفہ اور شیخ نورالدین کے بعد حبہ خاتون نے کشمیری شاعری کا احیاء کیا۔ اُنہیں اپنی زبان وثقافت سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اُنہوں نے کشمیری شاعری کو ایک نئی صورت دی جو اس سے قبل نہ تھی۔ حبہ کا کلام غزلوں کی شکل میں موجود ہے۔ اُسکی زبان بالکل آج کی معلوم ہوتی ہے پہلا دور کی شاعری کا نمونہ

ترجمہ:

پا برہنہ جو میں پنگھٹ کی طرف چل نکلی
ٹھیکری کوئی اچانک میرے پاؤں میں چبھی
چیخ نکلی مری، ہاتھوں سے گھڑا چھوٹ گیا
گر پڑا اور وہ کم بخت وہیں ٹوٹ گیا
ٹھیکری ساس کو بھی لاکے دکھائی میں نے
پر میری بات کو جھٹلایا برابر اُس نے
ساس کہتی ہے کہ دام اس کے مجھے تم لا دو
کوئی چارہ کرو میرا میرے میکے والو

ترجمہ:

میں جون میں برف کی مانند ضائع ہوتی رہی
گل یاسمین کا باغ ویران ہو گیا
آؤ اور آکر اس کی بہار کا لطف اٹھاؤ
یہ صرف تمہارے لئے ہی جوبن پر آتا ہے
تم مجھ سے نفرت کیوں کرتے ہو[۸]

وہ اپنے پہلے خاوند عزیز لون سے بہت محبت کرتی تھی جس کا ثبوت مندرجہ بالا شعر ہیں۔ حبہ خاتون کے زمانے میں کشمیری پر فارسی اثرات بہت زیادہ پڑنے لگے بلکہ یہ اثرات اُن سے بہت پہلے آنے لگے تھے۔ لیکن حبہ خاتون نے دیگر شعراء کی طرح آنکھیں بند کر کے ان اثرات کو قبول نہ کیا۔ اُنہوں نے شاعری میں فارسی الفاظ کا استعمال بہت کم کیا۔ جو فارسی الفاظ انکی شاعری میں نظر آتے ہیں مثلاً شمع، عشق، برقعہ، آب، تو یہ ایسے الفاظ تھے جو کشمیری زبان پہلے ہی اپنے اندر جذب کر چکی تھی۔ اُنہوں نے عوام کی زبان استعمال کی۔ اُن کی زبان میں موسیقی، مٹھاس، خلوص اور بے

اختیاری کی کیفیت موجود ہے۔ وہ اپنی شاعری میں حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے احساسات وجذبات کو کشمیری زبان کی اصلی خوشبو کے ساتھ بیان کرتی دکھائی دیتی ہیں جس میں باہر کے اثرات نظر نہیں آتے۔[9] اُنہوں نے فارسی کے الفاظ اگر استعمال کیے بھی ہیں تو علمی قابلیت دکھانے کے لئے نہیں بلکہ بہت پر اثر انداز میں۔ یہ کہیں بھی نزاکت خیال کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنتے۔

اُن کے شعروں میں نہ تو لال دید یعنی للّہ عارفہ کی 'واکھ' کی صنف کا اثر نظر آتا ہے اور نہ ہی نورالدین رشی کی 'واکن' کی صنف کا۔ اُنہوں نے کشمیری شاعری کو ایک نئی صنف عطا کی جو اس سے پہلے موجود نہ تھی۔ اُنہوں نے کشمیری لوک گیت کے اندر فارسی غزل کو جذب کر کے پیش کیا۔ حبہ خاتون نے کشمیری موسیقی کو نئی زندگی دینے کے لئے فارسی انداز کو اپنایا۔ اُن کے دوسرے دور کی شاعری میں اس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اُن کے دوسرے شوہر یوسف خان فنون وادب کا دلدادہ تھا۔

چنانچہ حبہ خاتون کی تربیت دربار میں مشہور ومعروف استادوں کی زیرِ نگرانی ہونے لگی۔ جنہوں نے انہیں فارسی انداز میں غزل کہنے کی مشق کروائی۔ چونکہ وہ خود بہت قابل اور ذہین تھیں اور اُنہیں بہت خوبصورت آواز عطا ہوئی تھی۔ اس لیے انہوں نے کشمیری میں موجود فارسی موسیقی کی روایت سے استفادہ کیا اور خود ایک راگ ایجاد کیا۔ جسکا نام 'راستی کشمیری' تھا جو کہ فارسی راگ راستی فارسیؔ کے نمونے پر بنایا گیا تھا۔ اُنہوں نے فارسی راگ 'مقامی اعراق' میں بھی مہارت حاصل کی۔ راستی کشمیری رات کے آخری پہر کا راگ ہے۔ اُنکی شاعری اور موسیقی کی مہارت کے باعث وہ پڑھے لکھے طبقے میں متعارف ہوتیں۔ جنہوں نے حبہ خاتون کو سراہا۔ اور اُن کے کئی کشمیری گیت موسیقی کی فارسی کتابوں میں شامل کئے گئے اور اُن کے گانے کے طریقے بھی درج کیے گئے اسی وجہ سے اُن کے بہت سے گیت ضائع ہونے سے بچ گئے۔

حبہ خاتون نے للّہ عارفہ اور نورالدین رشی کی روایت کے خلاف جو کہ صوفیانہ شاعری کی روایت تھی، عشقیہ شاعری کی بنیاد ڈالی، للّہ عارفہ اور نورالدین رشی لوگوں میں مذہبی اور صوفیانہ تعلیمات کو عام کرنے کے لئے کوشاں رہے اور اپنے پیغام کو شعروں میں بیان کرتے رہے۔ حبہ خاتون کے ایک ہم عصر خواجہ حبیب اللہ نوشہری بھی صوفی شاعر تھے۔ کشمیری زبان شروع ہی سے صوفیانہ خیالات کی روایت لیکر چلتی رہی ہے۔ جو کہ روح کی بالادستی، زندگی کے فانی ہونے، انسانی خواہشات کو رد کرنے منافقت اور خود غرضی کے خلاف ہوتی ہے۔ یہ زندگی کی وحدانیت پر صوفیاء کا مطمعٔ حیات ہوتا ہے جس کا نتیجہ مستی ہوتا ہے۔ حبہ خاتون اس صوفیانہ روایت سے متاثر نظر نہیں آتیں۔ اُنہوں نے کشمیری شاعری میں نئے رجحان کو جنم دیا جس میں انسانیت پرستی کو اپنا فلسفہ بنا کر پیش کیا گیا۔ اُنہوں نے زندگی کے روزمرہ کے عام واقعات کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔ انسانی دکھ، خوشیاں، ناامیدی، مایوسی، انسانی مجبوریوں کو اُنہوں

نے اپنی شاعری میں پیش کیا۔ اُنہوں نے زندگی سے محبت کی۔ کشمیری زبان میں صوفیانہ شاعری کے ساتھ ساتھ عشقیہ شاعری کی روایت نے جنم لیا اور دونوں ساتھ ساتھ چلتی رہیں۔

انکی شاعری میں چرخہ، افق، لڑکیاں کا پانی بھرنے جانا، جیسے استعارے استعمال ہوتے ہیں۔ برف کا گرمیوں میں پگھلنا ان کی شاعری کا ایک استعارہ ہے، پہاڑی پر چڑھتے ہوئے سانس کا پھول جانا ایک اور استعارہ ہے۔ وہ تین سطروں کے بند کے بعد چوتھا ٹیپ کا مصرعہ لکھ کر بند کو مکمل کرتی ہیں کبھی کبھی وہ چار مصرعوں کا بند بھی لکھتی ہیں۔

اُنہوں نے اپنی شاعری کے دوسرے دور میں یوسف خان کے دربار میں خوبصورت گیت لکھے پھر جب یوسف خان کو بہار میں نظر بند کر دیا گیا تو ان کی شاعری کا تیسرا دور شروع ہوا جس میں انہوں نے یوسف خان کی جدائی میں گیت لکھے۔

ترجمہ: اے میرے پیارے
کیا میں تیرے لئے قربان ہو جاؤں
مجھے ایک بار بلاؤ تو میرے تمام دکھ دور ہو جائیں
میں اپنا سب کچھ تم پر قربان کر دوں گی[10]

حبہ خاتون کشمیری غزل اور گیت کی بانی تھیں۔ اُن کے بعد آنے والے شعراء مثلاً ارلی حال، محمود گامی، اکمل الدین بیگ، عبدالاحد آزاد، رسول میر اور مہجور پر حبّہ کے اثرات نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کے اثرات کشمیری شاعری پر صدیوں تک حاوی دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں للّہ عارفہ کو کشمیری زبان کی پہلی شاعرہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا وہاں انہوں نے جس تحریک کا آغاز کیا حبّہ خاتون کو اُسے بام عروج تک پہنچانے اور اُسے نئے مزاج سے روشناس کرانے کا اعزاز حاصل ہوا۔ دونوں شاعرات اپنے اپنے مقام پر روشن میناروں کی طرح دکھائی دیتی ہیں جن سے بعد کے شعراء نے روشنی حاصل کی۔ اُنہوں نے اپنی شاعری کے پہلے دور میں محبوب کی بے وفائی کے گیت گائے۔ دوسرے دور میں یوسف کے دربار میں راگ ایجاد کیے اور تیسرے دور میں یوسف خان کی جلاوطنی کے باعث وہ خود بھی محل کو چھوڑ کر واپس عام لوگوں میں آگئیں اور یوسف خان کو یاد کر کے روتی اور شعر کہتی رہیں۔

حوالہ جات

۱- دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۸: ۱۳۹/ ۱۴۲۔

۲- ایضاً۔

۳- انٹرنیٹ http://opening.hefko.net/gi.llala.html۔

۴- انٹرنیٹ Newsletter Archives 2004 Index, Feb 13th 2004۔

۵- نورالدین رشی، رشی نامہ، طاؤس بانہالی (مترجم) اسلام آباد، لوک ورثے کا قومی ادارہ ۱۹۸۰ء پہلی بات۔

۶- ایضاً، ص ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۸، ۱۵۹۔

۷- انٹرنیٹ http://www.oldpoetry.com/another/habba/khatoon۔

۸- Sadhu, S.L. *Haba Khatoon*, (Lahore, vanguard, special imports distributed), Sahitya Akadami, N.d. p. 33.

۹- ایضاً، ص ۳۹۔

۱۰- ایضاً، ص ص ۴۰-۵۵۔